مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

# شاہ ولی اللہ کا قرآن مجید کی تعلیم اور تفہیم میں حصّہ

## (ایک مختصر و محدود دائرہ)

برصغیر پاک وہند کے افق پر آفتابِ اسلام کی شعاعیں اگرچہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے ہی پڑنا شروع ہوگئی تھیں لیکن اس کے کناروں سے بلند ہو کر ہمہ گیر ہونے اور نصف النہار کا سا اجالا پھیلانے تک کوئی دو تین صدیاں بیت گئیں۔ مگر کفر کی ظلمتوں اور شرک کے اندھیروں میں نامعلوم مدت تک ڈوبی رہنے کے بعد پھر تو یہ زمین ایمان وعرفان اور علم واحسان کے انوار سے اس طرح جگمگائی اور صدیوں تک خزاں رسیدہ رہنے کے بعد اس میں اسلام کی ایسی بہار آئی کہ اس کی برتری کا اعتراف بلکہ اس پر رشک کرنے کے لئے وہ علاقے بھی مجبور ہوئے جو قرنِ اول ہی میں قافلۂ ایمان وشریعت اور رہ پیمایانِ راہ طریقت کا گرمجوشی سے استقبال کر چکے اور اپنے سینوں پر ہی نہیں بلکہ دلوں میں بھی جگہ دے چکے تھے۔

جس طرح فصلِ بہار کے موقعہ پر پھلوں اور پھولوں کا شمار ناممکن ہے۔ ٹھیک اسی طرح علم وعرفان کے ان مہکتے پھولوں اور چمکتے تاروں کی گنتی بھی مشکل ہے جو چمن ہند میں کھلے اور چمکے۔ پھر جن کی مہک اور چمک صرف ہندوستان ہی میں پھیل کر نہیں رہ گئی۔ بلکہ سارا عالم، کیا عرب کیا عجم۔ ان کی عطر بیزیوں اور ضیا پاشیوں سے معطر ومنور ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ ان علمائے اعلام اور فضلائے کرام جن کے علمی کارناموں بلکہ شاہکاروں کا شہرہ برصغیر سے نکل کر چار دانگ عالم میں پہنچا۔ ان کی بھی فہرست اتنی طویل ہے کہ "مختصر" کے لئے بھی دفتر درکار ہے جس کا تحمل کوئی مقالہ تو کیا ایک دو ضخیم جلدوں والی کتاب بھی نہیں کر سکے گی۔ (اندازہ کرنے کے لئے "نزہۃ الخواطر" یا معجم المصنفین کی ضخیم جلدوں پر ایک نظر ڈالنے کا مشورہ دینا شاید بے محل نہ ہوگا) اس طویل فہرست میں شیخ صفی الدین بدایونی۔ عمر بن اسحاقؒ المعروف بسراج ہندی (صاحب التوشیح۔ شرح ہدایہ) شیخ علی تقی (صاحب کنز العمال) ملا طاہر پٹنی (صاحب مجمع البحار) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (صاحب اللمعات واشعۃ اللمعات)

علامہ مرتضیٰ بلگرامی (صاحب تاج العروس شرح القاموس) اور متعدد برصغیر محققین و شارحین حدیث کے علاوہ ماضی قریب کے علماء اور فضلاء میں محقق بے نظیر مولانا عبدالحی فرنگی محلی - مولانا رحمت کیرانوی - مولانا خلیل احمد سہارنپوری - مولانا عبدالرحمن مبارک پوری علامہ انورشاہ کشمیری - علامہ شبیر احمد عثمانی - حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی - مولانا ظفر احمد عثمانی اور بیہقی وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (رحمہم اللہ و نفعنا بعلومہم) یہ وہ چند اسمائے گرامی ہیں جن کے ناموں ہی سے نہیں کاموں سے بھی اس علمی مجلس کے شرکاء کم وبیش واقف ہوں گے -

مگر ان سب میں ایک نام ایسا نمایاں اور اتنا روشن ہے کہ اسے "کالشمس بین النجوم" قرار دینا مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت کی ناکافی ترجمانی سمجھا جائے تو مستبعد نہیں جن کے بارے میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ نے فرمایا تھا کہ :-

"سرزمین ہند میں اگر صرف وہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لئے یہی فخر کافی تھا - (الفرقان نمبر ص۳) میری مراد حکیم الاسلام مسند الہند، شارح دین فطرت مولانا قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہے جن کے ذکر سے آج کی محفل ہی نہیں اپنی عاقبت بھی سنوارنا مقصود ہے -

ظاہر ہے کہ جن کی تربیت اور جد و جہد کے نتیجے میں ان کے فرزند اکبر اور خلف الرشید شاہ عبدالعزیز نے جب سراج الہند کا لقب پایا تو ان کمالات کے منبع و سرچشمہ کے تذکرہ کے لئے ایک دو کتابیں بھی اگر ناکافی ہی معلوم ہوتی ہیں تو محل تعجب نہیں - پھر ایک مختصر سا مقالہ (جسے عجلت میں لکھے جانے کی وجہ سے "عجالہ" کہنا مناسب ہوگا) میں اس عبقری شخصیت کے تمام اوصاف کا ذکر کہاں اور کس طرح سما سکتا ہے ؟ اس میں زیادہ سے زیادہ بس کسی ایک ہی گوشہ پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے - اس لئے یہاں منتظمین اجلاس کے مقرر کرتے ہوئے موضوع کی رعایت سے - شاہ صاحب کے اہم ترین کارنامہ ، قرآن کریم کی تعلیم و تفہیم عام پر مختصر وقت میں مختصر گفتگو کی جائے گی (وبیدہ ازمۃ التوفیق)

اگرچہ عام طور پر شاہ صاحب پر لکھی جانے والی کتابوں ، مقالوں اور سوانحی خاکوں میں قرآن کریم سے متعلق موضوع کے تحریری سرمایہ کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ صرف چار یا پانچ مستقل چیزوں کا ذکر ملتا ہے - یعنی "فتح الرحمان" کے نام سے فارسی ترجمہ - الفوز الکبیر (اصول تفسیر پر مختصر ترین مگر جامع اور مفید ترین رسالہ) فتح الخبیر (جو گویا الفوز الکبیر کا تتمہ - بلکہ مصنف کی تصریح کے مطابق اسی کا ایک باب پنجم ہے -) اور ترجمہ قرآن سے متعلق ضروری ہدایات و اصول پر مشتمل "المقدمۃ فی قوانین الترجمہ" کے نام سے ایک مختصر رسالہ جس کا ترجمہ بھی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً چالیس سال قبل کیا تھا اور ماہنامہ "برہان" دہلی میں ۴۵ء میں شائع ہوا تھا -

اس کے علاوہ ایک اور مختصر سا مقدمہ جو فتح الرحمٰن کے شروع میں اس کے ساتھ مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا تھا۔[1] لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کا قرآن فہمی عام کرنے والا۔ اور اس کی حکیمانہ تشریح پر مشتمل تحریری ذخیرہ بھی کہیں اس سے زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ جتنا عام طور پر تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان کی اہم تصانیف میں سے شاید کوئی بھی تصنیف قرآن حکیم کی حکیمانہ تشریح سے خالی نہیں ہے۔

یوں تو قرآن مجید کی خدمت اور اس کی تفسیر و تبیین کا شرف شاہ صاحب سے ماقبل اور مابعد بہت سے ہندوستانی علماء کو حاصل رہا ہے مگر اسے عام فہم بنانے میں اولیت بلکہ امامت کا امتیاز تنہا شاہ صاحب ہی کو حاصل ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شاہ صاحب سے قبل ترجمہ قرآن (بزبان فارسی ہو چکا تھا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے تو بھی جہاں تک قبول عام حاصل ہونے کا تعلق ہے اس میں بلاشبہ ان کا کوئی شریک و سہیم ان سے پہلے نہیں ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے فتح الرحمان میں مجرد فارسی ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جہاں ضرورت سمجھی مختصر تصریحی نوٹ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس طرح یہ ترجمہ قرآن فہمی کے لئے بالکل کافی ہو گیا۔

"حیات ولی" کے مصنف مولانا حافظ محمد رحیم بخش صاحب مرحوم نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔ اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ اب تک قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا صرف عربی پر منحصر تھا۔ عوام کا کلام الٰہی کا مفہوم سمجھنے سے محروم تھے۔ اور معنی نہ جاننے کی وجہ سے خداوندی احکام اور آسمانی قوانین سے قطعاً نابلد تھے۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے ترجمہ کی سخت ضرورت سمجھی اور اس کا ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام لوگوں کے لئے سمجھنا بہت آسان ہو گیا۔ مطالب کی توضیح کے لئے وجا بجا نہایت مختصر فوائد چڑھائے۔ بڑے بڑے معرکۃ الآرا مضامین اور نہایت اہم اور دقیق مطلب چند مختصر اور گنتی کے الفاظ میں خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ ادا کئے۔ کہ جب کسی آیت کی تفسیر عربی تفاسیر میں دیکھی تو طولانی بحث میں بھی ویسا صاف مطلب نہیں کھلتا جیسا کہ شاہ صاحب کے معدود چند لفظوں سے کھل جاتا ہے۔ (حیات ولی ص ۴۷۵ بتغیر یسیر)

پھر اسی ترجمہ کی عوامی افادیت اور صحیح وقت پر ہو جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اگر قرآن مجید کا ترجمہ اس زمانہ میں نہ ہوتا تو مسلمانوں کے معاشرہ میں جو اصلاح ہوئی وہ کبھی نہ ہوتی۔ اس وقت ہندوستان میں جہاں بھی شرک و بدعت سے پاک صحیح اسلامی روشنی نظر آتی ہے وہ اسی کا صدقہ ہے۔" اس ترجمہ کی ضرورت

---

[1] یہ تفصیل مظہر بقا، صاحب نے اپنی کتاب اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ (شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد) کے مقدمہ میں بیان کی ہیں۔ نیز بیان الاحادیث نامی ایک عربی رسالہ قصص القرآن کی توجیہ پر اور زہراوین کے نام سے سورہ بقرہ و آل عمران کی تفسیر پر مشتمل رسالہ بھی مختصر فہرست میں شامل ہے۔

اور اس کے لئے داعیہ کیوں پیدا ہوا؟ اس کا اظہار خود مترجم علیہ الرحمہ نے "مقدمہ فتح الرحمان" میں کر دیا ہے۔

اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو براہِ راست قرآن مجید سے استفادہ اور اس کو عام فہم بنانے کے لئے ترجمہ کی ضرورت کا احساس اپنے پدر بزرگوار جو خود باکمال مدرس و مصلح تھے۔ کی تعلیم و تربیت سے ہی ہوا۔ کیوں کہ موصوف نے اپنی تعلیم و تربیت کا ذکر کرتے ہوئے جہاں کتب درسیہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ مثلاً کہا ہے کہ علم حدیث میں بخاری (کتاب الطہارت تک) مشکوٰۃ شریف اور شمائل النبی، علم تفسیر میں۔ بیضاوی اور مدارک (کچھ اجزاء) علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ۔ اصولِ فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح، منطق میں شرح شمسیہ (قطبی) اور کچھ شرح مطالع علم کلام میں شرح عقائد کامل اور کچھ شرح خیالی و شرح مواقف۔ علم معانی میں مختصر المعانی اور مطول (کچھ اجزاء) علم نحو میں کافیہ اور اس کی شرح ملا جامی اور سلوک و تصوف میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ کی باقاعدہ اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

"جب میں یہ کتابیں پڑھ چکا تو میرا ذہن اس درجہ فراخ اور نظر ایسی وسیع ہو گئی کہ ہر فن کے دقیق و غامض مسئلے ادنیٰ توجہ کے ساتھ حل ہونے لگے۔ اور مشکل مقامات پانی ہو گئے"۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ والد صاحب نے ایک مدرسہ قرآن قائم فرمایا تھا اور چونکہ مجھ سے بے حد محبت فرماتے تھے اس لئے قرآن مجید کا ترجمہ مجھے پڑھایا اور وہ اسرار و نکات بیان فرمائے جو قرآن حکیم کے حرف حرف میں بھرے ہوئے تھے۔ اور جن تک رسائی بغیر اس رہنمائی کے یقیناً آسان نہ تھی۔

قرآن مجید کے ترجمہ کی اہمیت و نزاکت کا اندازہ آج پوری طرح لگانا مشکل ہے کہ اس وقت یہ کتنا جرأت مندانہ اقدام اور دور رس نتائج کا حامل، نیز کس درجہ برمحل کام تھا۔ شاہ صاحب جیسی عظیم و جلیل ذات اگر یہ قدم نہ اٹھاتی تو عجب نہیں کہ عوام تک قرآن مجید کے مفاہیم براہِ راست پہنچنے کی یہ راہ طویل مدت تک (بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ) بند ہی رہتی۔ شاہ صاحب جیسے عظیم المرتبہ شخص کو کہ جن کی ذاتِ وجاہت کے علاوہ ان کے خاندان کی قدر و منزلت کا بھی عمومی اعتراف پایا جاتا ہے جو اس خاندان کے علم و عمل درس و تدریس۔ افادۂ عوام اور زہد و تقویٰ کی بنا پر تھا۔ اس کے باوجود جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ترجمہ کو بدعت و تحریف قرار دینے والے نام نہاد علماء کے عقیدت مند جہلاء کے ہاتھوں جو مصائب جھیلنے پڑے ان سے اس کام کی مشکلات کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن موصوف نے شدید مخالفت کے باوجود مومنانہ جرأت و فراست سے کام لے کر مصائب کی پروا کئے بغیر آئندہ دین کی خدمت کرنے والوں، بالخصوص علماء کے لئے راہ آسان کر دی، جس کے احسان سے علماء کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ اسی سے روشنی پا کر ان کے بلند اقبال دو صاحبزادوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے بالترتیب لفظی اور بامحاورہ اردو میں قرآن مجید کے ترجمہ کی اہم خدمت انجام دی۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موخر الذکر کے

اردو ترجمۂ قرآن (جسے اہلِ نظر، الہامی ترجمہ اور ہست قرآن، در زبان لشکری کا مصداق کہتے ہیں) نے ہی اردو تراجم کے لئے ایک بنیاد فراہم کردی جس پر بعد میں اگرچہ

ؔ۱ جیسا کہ اہلِ علم جانتے ہیں شاہ صاحبؒ نے اپنی زندگی کے حالات اور تعلیم و درس کی مذکورہ بالا نیز دیگر تفصیلات خود ہی اپنے فارسی رسالے "الجزء اللطیف" اور "انفاس العارفین" میں بیان فرمائی ہیں ان کا خلاصہ اور ماحصل حیاتِ ولی اور الفرقان کے خاص نمبر سے لیا گیا ہے۔ یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بھی شاید بے محل نہ ہوگا۔ شاہ صاحب کے زیرِ درس جو کتابیں رہیں وہ اکثر و بیشتر وہی ہیں جو قدیم طرز کے تمام مدارس عربیہ میں آج تک پڑھائی جا رہی ہیں۔

ؔ۲۔ اردو کے معنی لشکر ہی کے ہیں۔ یہاں "لشکری زبان" سے اردو مراد لی گئی ہے۔ (مولانا روم کی مثنوی روم کے بارے میں بعض عارفین نے کہا تھا "ہست قرآں در زبانِ پہلوی") بڑی پرشکوہ عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ "لکن الفضل للمتقدم" کا من جانب اللہ جیسے اعزاز حاصل ہو چکا تھا اس میں بھلا کون ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور اس سنت حسنہ کے اجرا والے اجر میں کون مقابلہ کر سکتا ہے۔

شاہ صاحب اور ان کے اخلاف کے بلند کارناموں (ترجموں) کی افادیت کس کس پہلو سے ظاہر ہوئی۔ اور ہو رہی ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ماضیٔ قریب کے ایک صاحب بصیرت، وسیع النظر، نکتہ رس عالم مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کے بیان سے شاید کسی درجہ میں ہو سکے۔ موصوف خاص طور سے شاہ صاحب پر ہی لکھے اپنے مقالے میں "شاہ صاحب کے کارناموں میں ترجمہ کی خدمت کو میں سب سے بڑی خدمت قرار دیتا ہوں" کے اعتراف کے ساتھ اس کے ایک اہم فائدہ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

" ان ترجموں (شاہ صاحب اور ان کے فرزندوں کے ترجموں) نے ہم مسلمانوں کے اسلام و ایمان کی حفاظت میں کام کیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنا آسان نہیں ہے۔ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب کو اس "مصیبت" کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ہو چکا تھا جس میں مولوی اور مشائخ مبتلا ہونے والے تھے۔ میرا اشارہ اس طریق عمل کی طرف ہے جسے ارباب تشکیک و ارتداد نے بڑی چالاکی سے اختیار کیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے کسی تعلیم کا انکار کریں لیکن ڈرتے ہیں کہ عام مسلمانوں میں اس سے برہمی پیدا ہو گی تو عوام ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے۔ اس لئے "مولوی کا مذہب" ایک لفظ تراشا گیا اور ہر وہ چیز جو واقعی قرآن و حدیث کی ہوتی ہے مولوی کی طرف منسوب کر کے اس کا انکار کر دیا جاتا ہے۔ اور کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے مولوی کے خیال کا انکار کیا ہے قرآن کا انکار نہیں کیا۔ حد یہ ہے کہ آج جنت، دوزخ حور، ملائکہ، شیاطین وغیرہ ایسے حقائق کا انکار کیا جاتا ہے جن کے ذکر سے قرآن معمور ہے۔ اگر اس وقت شاہ ولی اللہ قرآن و حدیث کے ترجمہ کی بنیاد نہ ڈال دیتے تو اس وقت بھی قرآن عوام کی دسترس سے عربی زبان میں ہونے

کی وجہ سے بالکل باہر ہی ہوتا۔ تو بے چارہ "مولوی" اس مغالطہ کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ لیکن بحمداللہ شاہ صاحب ایک ایسا کام کر گئے کہ جو نہیں سمجھنا چاہتے ان سے تو بحث نہیں لیکن واقعی جو حق کے طالب ہیں ان کے لئے "مولوی کا مذہب" کا پرانا جال اب بیکار ہو چکا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ فاضل گیلانی نے جس عظیم مصیبت اور اس کے ٹالنے والی جس جلیل نعمت کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے اسے سامنے رکھ کر آئندہ اور موجودہ دور کی اس طرح کی مصیبتوں کا بھی علاج اسی نعمت کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک جگہ ترجمہ کے فوائد بیان کرتے ہوئے مولانا موصوف نے اپنے طویل تجربے کی بنا پر یہ بھی ٹھیک لکھا ہے کہ آج کل بہت سے سند یافتہ "مولویوں" کی لاج بھی ان تراجم نے رکھ چھوڑی ہے ورنہ مولویوں میں ایسے بس گنتی کے ہوتے ہیں جو ترجمہ کا سہارا لئے بغیر پورے قرآن کا صحیح مطلب براہ راست سمجھ سکتے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ شاہ صاحب کے اس مہتم بالشان کام کی قدر و قیمت زمانہ کے ساتھ برابر بڑھ رہی ہے اور اندازہ ہے کہ بڑھتی ہی جائے گی اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے اور قیمت بڑھانے میں زمانہ خود مدد دیتا رہے گا

قرآن مجید کے صحیح فہم کو عام کرنے کے لئے جہاں شاہ صاحب نے یہ خدمت انجام دی وہیں خواص علماء کو قرآن فہمی کے اصول سکھانے کی عظیم ضرورت بھی "الفوز الکبیر" لکھ کر پوری کی۔ یہ چند ورقی رسالہ اگرچہ قامت میں کہتر ہی نظر آتا ہے مگر اس کی "قیمت" کس قدر بہتر ہے اس کا تو اندازہ کرنا آسان نہیں۔ آئندہ سطروں میں اس کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے۔

اہل علم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ علوم دینیہ میں علم تفسیر، خصوصاً اصول تفسیر ہی ایک ایسا علم ہے جو ابھی ناپختہ ہے۔ اور اس پر کام کرنے کی ضرورت بہت کچھ باقی ہے۔ جیسا کہ مشہور مصری فقیہہ علامہ زین الدین نجیم کی شہرۂ آفاق کتاب "الاشباہ والنظائر" کے حوالہ سے فقیہہ علاؤالدین حصکفی نے نقل کیا ہے۔

العلوم ثلاثة، علم نضج وما احترق وهو علم النحو والاصول وعلم لا نضج ولا احترق وهو علم البيان والتفسير وعلم نضج واحترق وهو علم الحديث والفقه

(والدرالمختار مع رد المختار ص ۳۴ ج ۱)

اسلامی کتب خانوں میں ہزاروں صفحات پر مشتمل سینکڑوں بلکہ شاید ہزار سے اوپر کتب تفاسیر کی موجودگی کے باوجود سچی بات یہ ہے کہ یہ علم ابھی تک ناپختہ ہے۔ اور اس میں بہت کچھ بحث و تحقیق نیز تنقید و تنقیح کی صرف گنجائش ہی نہیں، ضرورت ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اصول فقہ و اصول حدیث پر ایک سے ایک بڑھ کر مفید و ممتاز درجنوں بلکہ سینکڑوں کتابیں پیش کرنے والی امت اصول تفسیر پر شاید ساتویں صدی سے قبل ایک بھی قابل ذکر مستقل کتاب پیش نہیں کر سکی۔

علامہ ابن تیمیہ کا چند ورقی رسالہ "المقدمۃ فی اصول التفسیر" ہی غالباً وہ پہلی کوشش ہے جو کتابی شکل میں مستقل اس موضوع پر اہل علم کے سامنے آئی ہے۔ اس کے بعد زرکشی کی البرہان اور سیوطی کی الاتقان جیسی معلومات افزا اور فی الجملہ مفید بلکہ بہت مفید کتابیں اگرچہ منظر عام پر آئیں لیکن حشو و زوائد سے پاک اور غیر ضروری طوالت سے خالی کسی ایسی کتاب کا پتہ اب بھی نہیں چلتا۔ جو سراپا مغز ہو اور "اصل" و "ام" کی حیثیت دیئے جانے کے لائق ہو۔ اس معیار پر بڑی حد تک پوری اترنے والی تصنیف واقفین راقم سطور سے غالباً اتفاق کریں گے۔ تنہا اسی ہندی امام کا "الفوز الکبیر" نامی یہ مختصر سا رسالہ ہے۔

شاہ صاحب کے اس گراں قدر رسالہ میں جہاں اور بہت سی پر مغز اور مجتہدانہ بحثیں ملتی ہیں وہاں قرآن مجید کے علوم کا پانچ قسموں کا انحصار بھی ہے۔ اس سے قبل کسی نے علوم قرآن کی تعداد مثلاً مشہور مالکی عالم قاضی ابو بکر بن العربی اور امام طبری نے تین (توحید، تذکیر، احکام یا توحید، اخبار، دیانات) بتائیں۔ کسی نے چار اور کسی نے مثلاً فقیہہ ابو اللیث سمرقندی نے سات اور کسی نے (مثلاً رمانی نے تیس قرار دی۔ لیکن شاہ صاحب کی بیان کردہ تقسیم ہی سب سے زیادہ متوازن، جامع اور دقیق معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں نہ تو کسی مستقل قسم کو دوسری قسم میں داخل کیا گیا ہے اور نہ کسی ذیلی قسم کو مستقل حیثیت دی گئی ہے۔ (برخلاف کم و بیش بتانے والوں کے کہ انہوں نے یا تو کسی مستقل قسم کو کسی دوسری میں ضم کر دیا ہے یا پھر ذیلی انواع کو بھی مستقل حیثیت دیدی ہے۔)

ان علوم پنج گانہ میں سے تین تذکیر پر مشتمل ہیں۔ (تذکیر بالاء اللہ، تذکیر بایام اللہ۔ تذکیر بالموت و مابعدہ) جس سے اس نتیجہ تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید نے اپنے نزول کی اصل غایت (جسے خود "لقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر (سورہ قمر) بیان کر دیا ہے) کا اس میں کس قدر اہتمام کیا ہے۔ پھر اسی سے بعض قصوں کے مکرر ہونے کی حکمت کا ادراک بھی آسان ہو جاتا ہے اگرچہ ان تذکیری مضامین کے خاطر خواہ فہم کے لئے علم طبیعات، علم تاریخ، بلکہ فلسفہ تاریخ اور دیگر اسی قبیل کے، بعض علوم کا جاننا بھی ضروری ہے جس کی طرف حکمت ولی اللہ کے اس صدی کے ایک بہت بڑے عارف و شارح مولانا عبید اللہ شاہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فاضلانہ مقالہ میں بھی متوجہ کیا ہے۔

(الفرقان ص ۵ ۲۴۴)

اور پھر ان علوم سہ گانہ میں انبیائے سابقین کے لحاظ سے شاہ صاحب نے ایک عجیب ترتیب بیان فرمائی ہے اور اس کی نہایت عمدہ توضیح و تشریح بھی فرما دی ہے۔ پھر اسی کے ساتھ ان مضامین کے تکرار کی حکمت بھی، سعادت انسانی کے ایجابی اسباب اختیار کرنے کی نہایت مؤثر و بلیغ پیرایہ بیان میں اہمیت بتانے کے بعد اس کے لئے گویا سلبی تدابیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وبالجملة فيعلم علماً لا يحتمل النقيض ان سعادته في اكتساب هذه وان

شقاوتہ فی اھمالہا ولا بد لہ من سوط ینبہہ البھیمیۃ تنبیہا قویا و یزعجہا ازعاجا شدیدا و اختلف مسالکہ الانبیاء فی ذالک فکان عمدۃ ما انزل اللہ تعالیٰ علی ابراھیم التذکیر بآیات اللہ الباھرۃ وصفاتہ العلیا ونعمہ الآفاقیہ والنفسانیہ حتی یصمم بما لامزید علیہ انہ حقیق ان یؤثر واذکرہ علی ما سواہ وان یحبوہ حبا شدیداً و یعبدوہ باقصی مجہودھم۔

وضم اللہ معہ لموسیٰ علیہ السلام التذکیر بایام اللہ وھو بیان مجازاۃ اللہ تعالیٰ للمطیعین والعصاۃ فی الدنیا و تقلیبہ النعم والنقم حتی تتحمل فی صدورھم الخوف من المعاصی ورغبۃ قویۃ فی الطاعات۔

وضم معہا لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم الانذار والتبشیر بحوادث القبر وما بعدہ وبیان خواص البر والاثم ولا یفید اصل العلم بھذہ الامور بل لابد من تکرارھا وترادادھا وملاحظتہا کل حین وجعلہا بین عینیہ حتی تمتلئ القوی العلمۃ بہا فتنقاد الجوارح لہا۔

اور پھر شاہ صاحب یہ مضمون اس پر ختم کرتے ہیں۔

وھذہ الثلاثۃ مع اثنین اُخرین احدھما بیان الاحکام من الواجب والحرام و غیرھما بیان الاحکام من الواجب والحرام وغیرھما، وثانیہما مخاصمۃ الکفار فنون خمسۃ ھی عمدۃ علوم القرآن العظیم (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۵/۶)

راقم سطور کو اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ذرا تامل نہیں کہ علوم ثلاثہ کی انبیائے سابقین پر نزول کی یہ ترتیب ایسے حکیمانہ اور معجبانہ انداز میں کہیں نظر سے نہیں گذری اور نہ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے ہی کبھی ذہن اس طرف منتقل ہوا۔ (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

::::::::::

افغانستان پر روسی جارحیت اور موتمر المصنفین کی اہم پیشکش

## روسی الحاد

پس منظر و پیش منظر

تالیف و اشاعت ——— موتمر المصنفین

سوشلزم اور کمیونزم حریت اقوام، آزادی افکار کا غاصب اور دیگر مذاہب کا عظیم دشمن اور انسانی اخلاقی قدروں کا کن کن طریقوں سے باغی ہے؛ ان سب باتوں کا جواب اور کمیونزم کی فکری نشوونما، جنگ اقتدار، نظام اور چیرہ دستیوں کے تسلسل کے ناپاک عزائم کا تحقیقی اور تفصیلی جائزہ۔

اہم ابواب کی ایک جھلک جبکہ ہر باب کئی ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے

۱۔ محرکات و عوامل
۲۔ سوشلزم کا فکری سفر
۳۔ عملی سرگرمیاں اور جنگ اقتدار
۴۔ سوشلزم کی چیرہ دستیاں
۵۔ مذہب و اخلاق دشمنی
۶۔ سامراجی تسلط ـ روس اور افغانستان، پاکستان اور سوشلزم

افغانستان پر ظالمانہ یلغار کے بعد روس پاکستان کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ آئیے عملی جہاد کے ساتھ ساتھ علمی و فکری جہاد کیلئے بھی کمربستہ ہو جائیں ــ ایک بھیانک اور کریہہ چہرہ جسکو بے نقاب کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے

بلاشبہ اس موضوع پر ایک مستند اور تحقیقی کتاب

جس کیلئے صدہا ماخذ کو کھنگالا گیا ہے

قیمت ۔۔ روپے صفحات ۔۔ کاغذ و طباعت عمدہ۔ تبلیغ کے لئے سو نسخوں پر ۔۔ فیصد رعایت

آج ہی طلب فرمائیں

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور پاکستان